ضمیریات

سید ضمیر جعفری مرحوم

''مسدس بدحالی''

سیاست کا ہر پہلواں لڑ رہا ہے
یہاں لڑ رہا ہے وہاں لڑ رہا ہے
بیاں کے مقابل بیاں لڑ رہا ہے
حساب دل دوستاں لڑ رہا ہے
ستارہ نظر مہ جبیں لڑ رہے ہیں
یہ حد ہے کہ پردہ نشین لڑ رہے ہیں
مزاجوں میں یوں لیڈری آ گئی ہے
کہ گھر گھر کی اپنی الگ پارٹی ہے
کوئی شیر ہے تو کوئی لومڑی ہے
یہی اپی لے دے کے انڈسٹری ہے
نہ منزل نہ جادہ نہ کو ئی ارادہ
رضاکار کم یاب، لیڈر زیادہ
اگر گھر میں ہیں خیر سے چار بھائی
تو اک اک نے ڈفلی الگ ہے اٹھائی
بچھی ہے سیاست کی پتلی چٹائی
بہ ہر تخت پوش و بہ ہرچارپائی
سلیٹی کوئی، توتیائی ہے کوئی
کوئی سرخ ہے، فاختائی ہے کوئی
جلوس اور جلسے پہ تکرار، ان میں
فسادو فتن کے ''نمک خوار'' ان میں

بپا مستقل جوت پیزار ان میں
''یونہی چلتی رہتی ہے تلوار ان میں''
جو زندہ مہینا تو مردہ مہینا
یہ کیا زندگی ہے نہ مرنا نہ جینا
ملوں' پرمٹوں' کارخانوں کے جھگڑے
سیاست کے ''نودولتانوں'' کے جھگڑے
زبانوں' بیانوں' ترانوں کے جھگڑے
فسانوں پہ ہم داستانوں کے جھگڑے
سرخوان لقمہ اٹھانے پہ جھگڑا
وہ جھگڑا کہ ہر دانے دانے پہ جھگڑا
حقائق کے آثار دھندلانے والے
جرائد میں شہ سرخیاں پانے والے
یہ ہر قول دے کر مکر جانے والے
یہ ہر ''میز کرسی'' پہ مر جانے والے
بیاباں کو صحن چمن جانتے ہیں
قیادت کو خوراک تن جانتے ہیں
مکیں گم شدہ ہیں' مکاں لڑ رہے ہیں
زمیں چپ مگر آسماں لڑ رہے ہیں
خود اپنی صفوں میں جواں لڑ رہے ہیں
کہاں لڑنے والے' کہاں لڑ رہے ہیں
فسادات کی سرخیاں اور بھی ہیں
''مقامات آہ و فغاں اور بھی ہیں''

مقاصد کو زیرو زبر کرکے لڑنا
نتائج سے قطع نظر کرکے لڑنا
سنان و تبرتیز کرکرکے لڑنا
اگر کرکے لڑنا، مگر کرکے لڑنا
کہیں دو ''وڈیرے'' جو لڑ بیٹھتے ہیں
تو سارے ''بٹیرے'' بگڑ بیٹھتے ہیں
امامت کے تھے مدعی خشک و تر میں
سیاست میں، دانش میں، فکر و نظر میں
مقام ان کا اونچا ہے نوع بشر میں
کہ رہتا ہے اکثر فساد ان کے گھر میں
ہوس کی غلامی، شکم کی خدائی
گلا کاٹ دیتا ہے بھائی کا بھائی
مقدر میں بھوک اور گرد سفر ہے
بسیرا اگر ہے تو ''فٹ پاتھ'' پر ہے
نہ کھانے کو روٹی نہ رہنے کو گھر ہے
گزر زندگی کا سر رہگزر ہے
وہ مردہ پڑا ہے، یہ گھائل پڑا ہے
سرراہ حل مسائل پڑا ہے
دفاتر کا آئین و دستور، رشوت
تہی دست لوگوں سے بھرپور، رشوت
وہی بیش توفیق و مقدور رشوت
جوانی پہ ہے ''چشم بددور'' رشوت

عجب حرص دولت کا یہ رقص و رم ہے
کہ جیسے ضرورت بہت، وقت کم ہے
مہاجر کی آبادکاری پہ رشوت
وساور کی ''طیسنسداری'' پہ رشوت
الیکشن کی امیدواری پہ رشوت
وزارت کی ''پروردگاری'' پہ رشوت
جو سائل اصولی، مثالی رہے گا
وہ بھرپور دنیا میں، خالی رہے گا
مکانوں کی آرایشیں بڑھ گئی ہیں
مکینوں کی آسائشیں بڑھ گئی ہیں
خیانت کی گنجائشیں بڑھ گئی ہیں
کہ بیگم کی فرمائشیں بڑھ گئی ہیں
حدیں کچھ ورائے گماں اور بھی ہیں
''ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں''
امیر اپنے، آرام فرمانے والے
ہر اک ساحل نو پہ رقصانے والے
مے ناب و برفاب و جمخانے والے
غریبان ملت سے کٹ جانے والے
یہ دوری کوئی بے سبب تو نہیں ہے
محلے کی مسجد، کلب تو نہیں ہے
یہ رم اور رمی کے بیمار صاحب
جوئے اور گھڑدوڑ کے یار صاحب

سمور اور ریشم کے مینار صاحب
رباط اور روما کے سیار صاحب
وہ شیری دھری ہے، یہ وہسکی کھڑی ہے
شراب ان کی گھٹی میں گویا پڑی ہے
نہ یہ کارواں میں، نہ یہ کارواں سے
نہ جانے یہ لوگ آ گئے ہیں کہاں سے
جو اپنی زباں میں کہیں کچھ زباں سے
تو بس پھڑ پھڑاتے رہیں رایگاں سے
شلر اور شیلے تو سب جانتے ہیں
مگر میر و غالب کو کب جانتے ہیں؟
زمیں دار، کاروں کو دوڑانے والے
زرومال مجروں پہ برسانے والے
کلف دار شملوں کو لہرانے والے
نمک خوار کتوں کو لڑوانے والے
لگاؤ ادب سے، ہنر سے، نہ فن سے
دھواں اٹھ رہا ہے دل انجمن سے
یہ مانا بشر دیوتا بھی نہیں ہے
یہ جینا نری ایک سزا بھی نہیں ہے
فراغت شے ناروا بھی نہیں ہے
حیات بشر دیرپا بھی نہیں ہے
مگر دین و ملت کا احساس کچھ تو
غریبوں کی ذلت کا احساس کچھ تو

جو جینا ہو تم رہ نمائی کرو تم
جو دانا ہو عقدہ کشائی کروتم
غنی ہو تو حاجب روائی کروتم
بڑائی یہی ہے بھلائی کرو تم
بڑے شوق سے اپنے جلسے مناؤ
امیرو غریبوں کے بھی کام آؤ
تمنا کر ہر شے کی تجدید کیجے
تمنا کر ذروں کو خورشید کیجے
عمل سے نہ جذبے کی تائید کیجے
بیاں دیکھیے اور تردید کیجے
طلب یہ کہ دنیم میں اونچی ہو ''نیشن''
عمل یہ کہ جلسے میں اک ''ریزولیوشن''
نہ منشور اپنا' نہ دستور اپنا
قدم راہ چلنے سے معذور اپنا
مگر شور ہے دور سے دور اپنا
گلا کام کرتا ہے بھرپور اپنا

مردِ مومن

(رُوحِ اقبالؒ سے ندامت کے ساتھ)

ہر "لحظہ ہے مومن کی نئی آن ---نئی شان"
تولا کبھی ماشہ ---کبھی سکھر کبھی کاغان
بُت خانہ میں اِک ایک کو تھا دعویِ ایمان
کعبہ جو بنایا تو نہیں کوئی مُسلمان
سہما ہُوا--- دُبکا ہُوا--- حیران، پشیمان
جیسے کسی کنجوس کے گھر میں کوئی مہمان
کرسی پہ ہے مومن کبھی مومن پہ ہے کرسی
ایوان کی زینت کبھی رُسوا سرِ میدان

سیّد، کوئی مرزا، کوئی راجہ، کوئی راؤ
لاؤ ذرا دیکھوں تو کوئی صرف مسلمان
مُلّا ہے تو اِس کاٹھ کا مُلّا ہے کہ الحق
حیران ہے اسلام تو قرآن--- پریشان
افسر ہے تو اس ٹھاٹھ کا افسر ہے کہ جیسے
اک چیز ہے بالا تر نسلِ بنی انسان
تاجر ہے تو اِس جونجھ کا تاجر ہے کہ اکثر
ایمان کو بھی تول کے رکھ دے سرِ میزان
مُفتی ہے تو تکفیر سے پُھوٹی ہُوئی نکسیر
شاعر ہے تو بس عذرا و سلمیٰ کا حُدی خوان

لیڈر ہے تو اِس شور کا لیڈر ہے کہ گویا
مامُور مِّنَ اللہ ہے وزارت پہ یہ طوفان
دِل اس کا ہے پنجابی و بنگالی و سِندھی
گھر اس کا بخارا نہ سمرقند نہ ملتان
''سلطانیٔ جُمہور کا آتا ہے زمانہ''
لو دست و گریبان ہے سُبحان سے رمضان
وحشت تو فرنگی مدنیّت سے مُسلّم
گھر آنے کی توفیق نہ ارمان نہ سامان
مِیری و وزیری و سفیری و اسیری
یہ ''چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان''

——۱۹۵۳ء

☆

نظر کی عیب جوئی دل کی ویرانی نہیں جاتی
یہ دو صدیوں کی عادت ہے بہ آسانی نہیں جاتی
مسلمانوں کے سر پر خواہ ٹوپی ہو نہ ہو، لیکن
مسلمانوں کے سر سے بُوئے سلطانی نہیں جاتی
یہ اچھی فقر و استغنا کی صورت ہے معاذ اللہ
کہ پوری قوم کی صورت ہی پہچانی نہیں جاتی
''خدا وند یہ تیرے سادہ دل بندے کدھر جائیں''
کہ پیدا ہو گئے ہیں اور حیرانی نہیں جاتی
جہاں تک کثرتِ اَولاد نے پہنچا دیا اس کو
وہاں تک بندہ پرور نسلِ انسانی نہیں جاتی
یہی جمہوریت کی مغربی معراج ہے شاید
کہ اب ہم سے خدا کی بات بھی مانی نہیں جاتی
مجرّد آرٹ کی شہکار عورت بھی عجب شے ہے
جو اس کو دیکھ لو پہروں پشیمانی نہیں جاتی

———۱۹۵۴ء

سڑک چل رہی ہے

ہر قدم کی اپنی اپنی چال ہے
آدمی لُڑھکا ہُوا ٹُٹ بال ہے
خستہ و برگشتہ و بدحال ہے
یہ ہماری پیاری اصغر مال ہے
چہرہ بنگلوں کا بظاہر لال ہے
بیچ سے دیکھو تو پتلا حال ہے
اپنے اپنے مچھروں کی جھیل ہے
اپنی اپنی مکھیوں کا ٹال ہے
بھنگنیں اس پر بچھا جاتی ہیں روز
جس کے گھر میں جتنا جتنا مال ہے
گھر کی ہر نالی بتا دیتی ہے روز
آج گھر میں گوشت ہے یا دال ہے
زیدؔ کی دہلیز پر جو چیز تھی
یہ بکرؔ کا ''نامۂ اعمال'' ہے
تَرگڑھوں کا اِک علی گڑھ ہر طرف
ہر گڑھا تاریخِ ماہ و سال ہے
آدمی سے بڑھ کے اصغر مال پر
بھینس کا گوبر بلند اقبال ہے

پرنس گُل اندام

(ملتان سے مخدوم الیس عثمان کی طرف سے آموں کے تحفے پر)

آم جو میرے نام بھیجے ہیں
کتنے شیریں پیام بھیجے ہیں
لُطف و لذّت کے صبح و شام آئے
آم آئے کہ مے کے جام آئے
جشن برپا ہے خاص آموں کا
رنگ نکھرا ہماری شاموں کا
دِن کو گھر میں سُرود کا مِیلا
شب کو اول پہ موج کا مِیلا
کیف جس سے اُمنگ پیدا ہو
رنگ جس سے ترنگ پیدا ہو
مہ وشوں کو کِھلا کے کھائے ہیں
چاندنی میں مِلا کے کھائے ہیں
قند میں یہ سجل مٹھاس کہاں؟
شہد میں یہ کنول کی باس کہاں؟
ان کی خوشبو، سرِ نسیم بہار
مہک اُٹھا ہے خِطّہ پوٹھوہار
آم اور برشگال کفی راتیں
آم اور حُسنِ یار کی باتیں
آؤ اے دوستو کہ میرے پاس

سوم رس کے ہیں سر بہ مُہر گلاس
گدگدے، شوخ، کجکلاہ یہ آم
سارے آموں کے بادشاہ یہ آم
ہوں گے اِس شے کے شائق و طالب
باغِ رضوان میں حضرتِ غالب
شال دھانی بھی زعفرانی بھی
کیف بھی، حُسن بھی، جوانی بھی
خواہ شُخمی ہیں، خواہ پیوندی
ہمہ لذّت، تمام خورسندی
گُٹھلیاں، چشمِ مُرغ و ماہی ہیں
آم کی سرسری گواہی ہیں
جسمِ نازک میں کوئی تار نہیں
تار ہے بھی تو خاردار نہیں
چَھب منوہر ہے، شکل پیاری ہے
کِشت کاری میں دستکاری ہے
رُوئے رنگیں پہ تازگی کی پھبن
جانِ شِیریں میں اِک سنہرا پن
تن پہ باریک، دل نشیں چِھلکا
جیسے ریشم ''ولایتی'' مِل کا
کوئی ممتاز خانوادہ ہے
جو بھی دانہ ہے شاہزادہ ہے
جانے کس نام سے ہیں یہ بدنام

میں کہو گا —"پرنس گل اندام"
نازشِ رودِ سندھ ہیں یہ آم
فاتحِ مُلکِ ہند ہیں یہ آم
ساتھ ان کے بہ حُسن و زیبائی
یادِ آں یارِ دل نواز آئی

——— — ۱۹۶۸ء

پرائی موٹر کا چسکا

منفرد مزاح نگار نذیر احمد شیخ کی نذر جن کی موٹر ایک عرصے تک یاروں کی سواری کے لیے وقف رہی۔

دوست بدظن ہیں کہ اُن سے بدگماں رہتا ہوں میں
ماہ و مہر و مشتری کے درمیاں رہتا ہوں میں
کیا بتاؤں دوستوں کو اب کہاں رہتا ہوں میں
شیخ کو شب رنگ موٹر میں رواں رہتا ہوں میں
دوستوں سے ترک ربطِ دوستانہ ہو گیا
ہوتے ہوتے میں ضمیرِ غائبانہ ہو گیا
میں یہ کہتا ہوں کہ مصری خان ہو گا ٹال پر
وہ یہ کہتا ہے میاں اقبال ہو گا مال پر
میں یہ کہتا ہوں کہ چل مرغا بیوں کے تال پر
وہ یہ کہتا ہے کہ لہرا دیکھیے ''فٹ بال'' پر
میں یہ کہتا ہوں سفارش کے لیے تھانے کو چل
وہ یہ کہتا ہے کہ خارش ہے شفا خانے کو چل
میں یہ کہتا ہوں کہ راول کی طرف لے چل مجھے
وہ لیے جا تا ہے سوئے مشہد و موصل مجھے
میں یہ کہتا ہوں ذرا فطرت کے دو اک پل مجھے
وہ یہ کہتا ہے محمد خان ہے افضل مجھے
کیا کروں حالات کو اوقات پر قابو نہیں
اندریں حالات اپنی ذات پر قابو نہیں

جب سے ارزاں ہو گئی یہ ''کار'' بے دام و درم
کوچہ و بازار میں چلنے سے گھٹ جاتا ہے دم
سَیلِ انبوہِ بشر؟ کوچے میں دریا ، کو میں یم
ران پر ٹھیلے کا پیا ، کان پر تانگے کا بم
گھر سے تو اکثر بہ قصد دوستاں آتا ہوں میں
پھر جدھر موڑ چلی جائے چلا جاتا ہوں میں
دو قدم چلنا ہوا دشوار یارو کیا کروں
حوصلہ کم فاصلہ بسیار یارو کیا کروں
بن گئی رفتار ہی دیوار یارو کیا کروں
وہ بھی ہیں میری طرح شاید اسی اوبار میں
پڑھ رہی ہیں آج جو قومیں ''پرائی کار'' میں

.....۱۹۵۸ء

کر دیا اس کار نے بے کار، یارو کیا کروں

☆

غنیمت ہے تری خوش چہرگی اور سادگی اپنی
کہ ان چیزوں سے رہتی ہے طبیعت روغنی اپنی

زراہِ دل نوازی ہے برہمن دوستی اپنی
سیاست میں نہیں کوئی وصیت آکری اپنی

عبوری دَور میں اس طرح گزری زندگی اپنی
نہ محکم ممبری اپنی، نہ پکی نوکری اپنی

پریشان ہی نہ کر دے وحدتِ ملی کا شیرازہ
خدا کے گھر کی دیواروں میں یہ صورت گری اپنی

ادھر مُرغانِ صنعت بانگ دنیا بھر میں دے آئے
اَدھر انڈوں سے نکلی ہی نہیں ''انڈسٹری'' اپنی

ہماری کِشتِ پُرنم تھی مگر دو چار قسطوں میں
غٹاغٹ پی گئے ہم آپ ہی ساری نمی اپنی

مجھے وہ گُم صُم اِک خط ناکشیدہ فلسفی سمجھے
چلو اچھا ہوا، کام آ گئی آوارگی اپنی

ضمیران سے سخن اپنی زباں میں کر نہیں سکتے
بیانِ حالِ دل کیا ہو، نہ ''کا'' اپنا نہ ''کی'' اپنی

۱۹۸۲ء

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

معذرت نامہ

مجبی مولوی محمد سعید، ایڈیٹر روزنامہ ''پاکستان ٹائمز'' راولپنڈی کے فرزند کی شادی کے دعوت نامے کے جواب میں

سعیدِ محترم نے اب کے اتوار
رچایا منجھلے بیٹے کا ولیمہ
مجھے بھی یاد فرمایا انہوں نے
زِراہِ لطفِ اخلاقِ قدیمہ
بہت جی چاہتا تھا حاضری کو
بپاسِ ربطِ اخلاصِ قدیمہ
لہک کر شعر پڑھتے اور کھاتے
پلاؤ۔ قورمہ، مرغاب و قیمہ،
سفر سرآمد آیا کوئٹے کا
اسی دن اور بہ خطِ مستقیمہ
مبارک ہوں انہیں بچوں کی خوشیاں
دعا نکلی یہ از قلبِ صمیمہ

۱۹۶۸ء

فورٹ منرو

صدیوں کی یہ ویرانی، یہ ریگ بیابانی
میلوں میں نہیں دانہ، کوسوں میں نہیں پانی
فطرت کے ''مقابر'' کی کرتا ہے نگہبانی
یا بندہ صحرائی یا مردِ کہستانی

All rights reserved. ©2002-2006

اتفاقِ رائے

تحفے میں بیوی کو اِک ریشم کی ساری لا تو دی
ساتھ ہی کھینچی مگر شوہر نے لمبی ہائے بھی
اس پہ بیوی نے فسردہ رنگ شوہر سے کہا
کتنا بے معنی ہے ایسا اتفاقِ رائے بھی

All rights reserved. ©2002-2006

اِلزام

پولیس کے ایک سپاہی نے
اک شخص کو جب ماخوذ کیا
تو اس کو یہ الزام دیا
ترا جرم ہے یہ
اے شخص تو رشوت دینے میں ناکام رہا

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

دفتر نامہ

منشی و مہتدی و اورنگ و افسر دیکھیے
دو تہائی۔ نصف ،چوتھائی سکتر دیکھیے
اپنی آنکھوں سے بھی خود اپنا منسٹر دیکھیے
دور جا کر دیکھیے ۔ نزدیک آ کر دیکھیے
لوگ باہر دیکھیے ،اور لوگ اندر دیکھیے
اک بڑی سرکار کے دفتر کا منظر دیکھیے
کوئی بیٹا لائے ہے، کوئی بھتیجا لائے ہے
کوئی پرمٹ کے کسی چکر میں چکر کھائے ہے
صورت شام و سحر اک آئے ہے اک جائے ہے
''مژدہ اے جوشِ جنوں زنجیر در کھڑکائے ہے''
اک ہجوم ووڑاں ، لشکر بہ لشکر دیکھیے
اک بڑی سرکار کے دفتر کا منظر دیکھیے
جس قدر افسرنگاہ معدلت گستر میں ہیں
حضرتِ ابنِ بطوطا کی طرح چکر میں ہیں
مصر میں، ایران میں، لبنان میں بر بر یں ہیں
بعض پیدائش سے ''یو این او'' کے گھنٹا گھر میں ہیں
ان کے کالر ، ان کے جھالر، ان کے ڈالر دیکھیے
اک بڑی سرکار کے دفتر کا منظر دیکھیے
''فائلیں'' آتی ہیں، مر جاتی ہیں اندر ہی کہیں
کھا گئی ہے کتنے منصوبوں کو دفتر کی زمیں
اس کا شکوہ بے محل ہے اے زبانِ نکتہ چیں

''پالیسی ''ہی اپنی ''درآمد'' ہے ''برآمد'' نہیں
اپنے تخمینے ذرا نمبر بہ نمبر دیکھیے
اک بڑی سرکار کے دفتر کا منظر دیکھیے
ہیں یہاں ایسے بھی کچھ مبروص فطرت کے بشر
''چہرہ روشن اندروں چنگیز سے تاریک تر''
نیند آتی ہی نہیں رشوت کی دھن میں رات بھر
یہ جبلت دیکھ کر یہ قتل ملت دیکھ کر
پھر جبیں پر مسجد و محراب و منبر دیکھیے
اک بڑی سرکار کے دفتر کا منفر دیکھیے

۱۹۵۴ء

خودی

پیہم سنتے ہیں یہ پند
خودی بلند ۔ خودی بلند
ہم سے اَلم غلم لوگ
دَبَس، میں بے بس
ریل میں بند
خودی کہاں سے کریں بلند؟

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved
©2002-2006

عبادت

گھٹنوں گر کر ۔ معبر میں
حمد ترانے گاتے جاؤ
خلق و تپاک سے بچھتے بچھتے
کچھ .....بارود بچھاتے جاؤ

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

قبر کتبے

(۱)

ایک شاعر ہے یہاں مصروف خواب
جس پہ تھے اسرارِ قدرت بے حجاب
آستیں میں ماہتاب و آفتاب
اس نے اپنے ذہن سے

لفظ سے

اک خدا کی ذات سے قطعِ نظر
ہر کسی پر برملا تنقید کی .....
بے انتہا تنقید کی
حضرت یزداں بھی محض
اتفاقاً بچ گئے
کیوں کہ ربِ دوسرا سے آپ کی
صاحب سلامت ہی نہ تھی
واقفیت ہی نہ تھی

(۲)

یہ ہے لزلے جیک کی قبر
کندہ جس پر آیہ صبر
جسماً نازک ہزم نحیف
قسماً ، قولاً بڑا ظریف
ڈربی کے بازاروں میں
جوتے پالش کرتا تھا
لوگ ہوئے ریٹائر جب
بھر گیا ''ڈربی شائر'' جب
مہنگے ہو گئے ''ٹائر ''جب
گونگے ہو گئے شاعر جب
لزلے گنجے پنشنروں کے سر کی مالش کرتا تھا
اب بھی گویا ایک طرح کے جوتے پالش کرتا تھا
(انگریزی سے).....۱۵اگست۱۹۸۲ء

بسلسلہ سلسلہ

اسلام آباد کی محدود ادبی انجمن ''سلسلہ'' کی تیسری سالگرہ پر...ممتاز شاعرہ محترمہ آداجعفری اس کی بانی تھیں اور محترم قدرت اللہ شہاب صدر

قورمے پر قلم آزمائی ہوئی
اس بہانے مگر خوش نوائی ہوئی
چند جگنو تو شب میں چمکتے رہے
شام احباب کچھ تو حنائی ہوئی
اک برس سلسلہ اور چلتا رہا
سوچیے تو بڑی کاروائی ہوئی
غیبت و جگ ہنسائی کے ماحول میں
کیا یہ کم ہے یہاں.....گھر ہنسائی ہوئی

.....۲۸جنوری ۱۹۸۲ء

علمی چوکے چھکے

میں نے ثابت کر دیا ہر طور ہر آئین سے
آئی تھی اردو زباں کابل کے رستے چین سے
کوئی پورس ہی سکندر کے فسانے میں نہیں
اس سے پہلے ہو تو ہو اس کے زمانے میں نہیں

قصہ فردوسی و محمود بھی یکسر غلط
بلکہ فردوسی کی ہست و بود بھی یکسر غلط
چھپ گیا ہے جو کلام خوب اس کے نام سے
وہ اڑایا اس نے اک "پنجابی المر غام" سے
میں نے یہ ثابت کیا جہلم کے قبرستان سے
آریا برما سے آئے اور ہن جاپان سے
وہ نیا پتھر جو نکلا ہے پرانے غار سے
کتنی تہذیبوں کو دے مارے گا اپنی مار سے

..................۱۹۵۰ء

قول وعمل

قول و عمل کا ربط ہے محکم
آج نہ بدلا اپنا آج ، اگر تو نے
تیرا کل تبدیل نہ ہو گا
قدرت کا دستور اٹل ہے
بیج کا پھل تبدیل نہ ہو گا

لاس اینجلس (امریکہ)..................(جرمن ادب سے ماخوذ)

۱۹ اگست ۱۹۸۱ء

موازنہ

کتے کی عادتوں کو
جب بھی بغور دیکھا
قائل تو ہو گیا ہوں
انساں کی برتری کا
لیکن جناب عالی
انساں کی خصلتوں کو جب بھی بغور دیکھا
شرمندہ ہو گیا ہوں

نیوجرسی۔امریکہ.....(ازراپاؤنڈ سے ماخوذ)

۲۲اگست ۱۹۸۱ء

ہاں اور نہیں

[امریکی طنز نگار اوڈگن ناش کی نظم "YES AND NO" کا عکس]

کاش میں ہوتا سیاسی کارکن
ابتداء میں کارکن
بعد میں.....دو چار ہڑتالوں کے بعد
افسروں کے ساتھ پڑتا لوں کے بعد
فرد سے بطلِ جلیل
اک زعیم خوش لباس و خوش کلام
کانگرس میں صبح .....مے خانے میں شام
قصرِ ابیض ،میں سہ پہری نقلِ خاص
صدر امریکہ کا کے ساتھ
گردن مینا پہ ہاتھ
ناشتہ بھی گاہ گاہ

واہ واہ

چین کے منقوش آئینوں کے بینڈہ گلاس
نائجر کے زرد امرودوں کی ساس
گردشِ عالم کے ساتھ
گردش آدم کے ساتھ
کتنا خوش .....کس قدر آسودہ حال
مقتدر.....فرخندہ خاطر.....بامراد
ہاں مگر!
ہاں اگر!

تجھ کو ہوتا کاش اپنے آپ پر کچھ اعتماد

(نیویارک).....۶ستمبر۱۹۸۱ء

نسخہ

نوازش ،پرسشِ صحت کا یارو
ابھی مضبوط ہے اپنا ارادہ
ہے نسخہ تندرستی کا یہ سادہ
مشقت کم مگر سونا زیادہ

تسلسل

صبح دم یہی منظر
مدتوں سے ہوتا ہے
بابا جان کھانستے ہیں
بیٹا رام سوتا ہے

قومی لباس

افزنگیوں کے جاکٹ و پتلون و جین میں
عبدالودود کا ہے کو عبدالودود تھا
ڈھانپا اب ''اچکنوں'' نے عیوب برہنگی
''ورنہ وہ ہر لباس میں ننگا وجود تھا''

۱۹۸۱ء.....

☆

دوستوں آیئے کام کوئی کریں
کچھ نہیں اورتو.....عیب جوئی کریں

☆

ہمارے مسائل کو آسان کر
برزنف کو یارب مسلمان کر

☆

کون ہے پکا جیون سنگی
گنجے پنشنروں کی کنگھی

☆

اک شیر سے ہمارے بھی دو ہاتھ ہوگئے
انجام یہ ہوا ہے کہ اک ہاتھ رہ گیا

ایک ڈپٹی کمشنر کی ڈائری سے

آج چھٹی ہی تھی اک بوجھل سی بوسیدہ اپیل
پل رہے ہیں جس کی رزاقی پہ دو موٹے وکیل
آگیا اتنے میں اوپر سے بڑا ارجنٹ تار
جس میں لکھا تھا کہ ''اے ڈپٹی کمشنر ہوشیار''
دو وزیران گرامی آ رہے ہیں دفعتاً
تم پہ لازم ہے ابھی روشن کرو دشت ودمن
ساتھ ان کے شین بھی ہے، جیم بھی ہے، میم بھی
غیر ملکی ماہروں کی گشت والی ٹیم بھی
کیجیے ان کے قیام محتشم کا اہتمام
دور تک ہوشامیانوں کا مجلّہ انتظام
طبع نازک بھی نصیب دشمناں ناخوب ہے
آج کل یخنی پرندوں کی فقط مرغوب ہے
بہرعرض شوق جتنے بھی 'وڈیرے' آئیں گے
یہ وڈیرے اپنے ڈیرے سے 'بٹیرے' لائیں گے
مسجد جامع میں پڑھوانی ہے اک پبلک نماز
لیکن اپنی اپنی صف میں ہوں گے محمود و ایاز
پیر صاحب سے بھی رسم وراہ پیدا کیجیے
جس طرح بھی ہو کوئی درگاہ پیدا کیجیے
خوش عقیدہ 'ووٹروں' میں نیک نامی کے لیے
نوگزے کی قبر سج جائے سلامی کے لیے

کم سے کم چالیس گھوڑے بھی فراہم کیجیے
اس علاقے میں اگرچہ کم ہیں تاہم کیجیے
کام یہ ہے قوم کو پیغام دینے آئیں گے
ایک نیلی گائے کو انعام دینے آئیں گے

پاکے اس معقول و مربوط و مفصل تار کو
میں نے پھر بندھوا دیا فائل کے اس انبار کو

741 کومیلا لائن، ملیر چھاؤنی 1983ء

ہم آزاد ہیں

فرد ہو یا ملک تنہائی کا یارا بھی نہیں
بھائی چارے کے بہ جز کچھ اور چارہ بھی نہیں
ہم نے یہ مانا اکیلے میں گزارا بھی نہیں
بات ہو جائے کسی سے یہ گوارا بھی نہیں
ہم عجب آزاد ہیں ہم کس قدر آزاد ہیں
ہم زمانے سے بہ انداز دگر آزاد ہیں
آج کل دنیا سمٹ کر ایک کاخ وکو میں ہے
اک قدم لاہور میں ہے ایک ٹمبکٹو میں ہے
بم شکاگو میں ‘دھمک سارے ہنولو لو میں ہے
لالہ مصری خان لیکن اپنی ہاؤ ہو میں ہے
وہ یہ کہتا ہے کہ ہم مردان نر ‘آزاد ہیں
ہم زمانے سے بہ انداز دگر آزاد ہیں
آیئے اب گھر میں آزادی کا منظر دیکھیے
جزبہ جز بکھرا ہوا ‘دفتر کا دفتر دیکھیے
اپنی صورت اپنے آئینے کے اندر دیکھیے
شرم آئے گی مگر جان برادر دیکھیے
ہم تو آزادی سے بھی کچھ بیش تر آزاد ہیں
ہم زمانے سے بہ انداز دگر آزاد ہیں
خواب آزادی کی یہ تعبیر سمجھے ہیں ضمیر
یار ماری چور بازی سمگلنگ ‘دار و گیر
گھات میں بیٹھا ہوا ہے کیا پیادہ ‘کیا وزیر

اپنا اپنا کوہکن ہے، اپنی اپنی جوئے شیر
بے نیاز امتیاز خیرو شر آزاد ہیں
ہم زمانے سے بہ انداز دگر آزاد ہیں

152 میکسن روڈ، راولپنڈی.....28 اکتوبر 1958

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

میں رکھوالا

میں رکھوالا
اونچی لمبی کلغی والا
امن کا بھی قانون کا بھی
انگریزی پتلون کا بھی
انگلستان کا شاہ زمن
اس کے تاج و تخت پہ قرباں
میرا تن.....
لوگوں کا دھن
تخت پہ جو بھی راج کرے
بندہ اپنا کاج کرے
پرجا بھری کچہری میں
کھرکی دار کٹہری میں
اجلا صاف لبادہ ہو
علم سے ٹھاٹھ زیادہ ہو
کلکتے سے لاٹ آئے
دو گھوڑے کی لمبی چوڑی چکنی بمبو کاٹ آئے
باتیں فرفر کرتا ہے۔''یس سر۔یس سر'' کرتا ہے

(بگ ہولڈن سے ماخوذ).....1953ء

ڈاکٹر کا نسخہ

ڈاکٹر نے اک مریضہ سے کہا
غسل آب صاف روزانہ کرو
پیرہن اجلا رہے
صبح کو تازہ ہوا کھایا کرو
بیوی نے گھر آ کے شوہر سے کہا
ڈاکٹر کہتا ہے رم جھم ساریاں پہنا کرو
بازوؤں کو پور تک گہنا کرو
سردیوں میں ایک لمبا پرسکوں بحری سفر
بحرا وقیانوس کے بانکے جہاز خاص پر
گرمیوں میں 'سیرگاہ برف' میں جایا کرو
اور جب
لوٹ کر آیا کرو
نبض دکھایا کرو

فندق الفلج ۔مسقط.....(انگریزی سے ماخوذ)

21 اگست 1984ء

جشن مسند نشینی

(بنگال کے گورنر سر ولیم گرے (FREY) کی ڈیوڑھی میں لٹکانے کے لیے)

تیری مسند کا دن آ گیا
سب سلامی کریں
دھوم دھامی کریں
نیک نامی کریں
ہوں ضیافت کی پرجوش تیاریاں
دعوتیں پیاریاں
کام کی یاریاں
ہم اکٹھی کریں شہر و دیہات سے
نرم تن بکریاں
مرغ ماہی کی سالم 'کڑاہی' چلے
تاکہ تیری نمایش فروزاں رہے
تاکہ اپنی ستایش کا ساماں رہے
کار مشکل کریں بھی تو آساں رہے
یہ نہ سوچا کبھی
ان غریبوں.....غلیظوں.....مریضوں کے
تاریک ماحول میں
'تاج زر' جگمگانے سے کیا فائدہ!
جشن عشرت منانے سے کیا فائدہ!

(سیسل ریڈن).....1867ء

☆

آگ جب تک جلے نہ جانوں میں
آنچ ڈھلتی نہیں ترانوں میں

وعدہ یار جاں فزا ہے۔ مگر
پھول کھلتے نہیں چٹانوں میں

خواب کے نرم تار کیا ٹوٹے
تیر بھی مڑ گئے کمانوں میں

آدمی بھی تو کیڑیوں کی طرح
بٹ گئے تنگ تنگ خانون میں

نسل نو کو سدھارنے کے لیے
مدرسے کھل گئے ہیں تھانوں میں

لوگ اب یوں گھروں میں رہتے ہیں
جس طرح بوتلیں دکانوں میں

پیر صاحب کی گفتگو سن لی
کچھ زمینوں ، کچھ آسمانوں میں

دوستوں کی منافقت ، جیسے
کوکو کولا..... شراب خانوں میں

ہم نے دیکھا ضمیر صاحب کو
سرکشیدہ تھے درمیانوں میں

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

سہیلی بوجھ پہیلی

اگر پھر کبھی وہ ترے پاس آئے
انگوٹھا اٹھا کر.....انگوٹھی بٹھائے

نہ کھائے نہ گائے
نہ تجھ کو ہلائے ‘نہ خود کسمسائے
کسی ملک کی اجنبی ریختہ میں
محبت جتائے

نگاہوں سے تم اس کا قد ناپ لینا
اگر قامت یار چھ فٹ سے کم ہو
تو پیاری سہیلی اسے ہاں نہ کہنا
کنواری ہی رہنا!

اگر ہونٹ اس کے گلابی نہیں ہیں
غرض مند آنکھیں شرابی نہیں ہیں!
نظر میں سندیسے جوابی نہیں ہیں!
ارادوں کے رخ نیم خوابی نہیں ہیں!
نہیں ہاتھ اگر اس کے اجلے اچھوتے
کہ جیسے

نئی برف ہو اپنی کہ مری میں
ملاحت نہیں ‘خوش بیانی نہیں ہے!

صباحت کی چھب بھی سہانی نہیں ہے!
حمائل گلے کی پرانی نہیں ہے!
بزرگوں کی کوئی نشانی نہیں ہے!
تفکر تو ہے، ترجمانی نہیں ہے!
نظر میں شفق آسمانی نہیں ہے!
بھرے بازوؤں میں گرانی نہیں ہے!
کسی کام کی وہ جوانی نہیں ہے
تو پیاری سہیلی اسے ہاں نہ کہنا

کنواری ہی رہنا!

اگر ساگ خوش ہو کے کھاتا نہیں وہ
منوہر تو ہے مسکراتا نہیں وہ!
مکمل کبھی ہاتھ آتا نہیں وہ!
کسی چیز سے روح رغبت نہ رکھے!

نہ پھولوں کو دیکھے!

نہ میووں کو چکھے!

گداز اس کی دھڑکن میں بولے تو کیسے!
کہ ابیات باہو کے گاتا نہیں وہ!
نہ پھیلا عبث اپنی جھولی کو بھولی!
تراشے ہوئے سنگ ابیض کے آگے
سمٹتا نہیں وہ..... سماتا نہیں وہ!
تو پیاری سہیلی اسے ہاں نہ کہنا

کنواری ہی رہنا!

وہ آئے اور اس کم سخن کے لیے تو
ٹرالی سے پیالی میں چائے بنائے
سموسے کھلائے
جوار اورجو اور مکی کے دانے
مشینوں میں چھانے
بھنے اور بھنائے
مگر وہ
نہ دیکھے نہ کھائے
کوئی روزمرہ کا اخبار لے کر
سیاسی مسائل کے افکار لے کر

معاشی وسائل کے انبار لے کر
ترے نرم صوفے میں دھم ڈوب جائے
(کمر تا قدم۔کم سے کم۔ ڈوب جائے)
وہ خو د ڈوب جائے ‘تو اس کی بلا سے
عرب ڈوب جائے عجم ڈوب جائے
تو اے جان..... اے میری معصوم روزی!
یہ سمجھو کہ ہے کوئی مصروف بندہ
امیر ریاست
وزیروزارت

شہیر سیاست

خطیر خطابت

مدیر صحافت

مشیر مشقت

نفیر ثقافت

حجیر حجامت

کسی محکمے کا دبیر و سکتر

'بہتر تہتر'

کوئی رکن ایوان بالائے ملی

کہ چوہوں میں بلی

کوئی پشت ور پشت ممتاز شہری

طبیعت کا لہری

کوئی لکھ پتی سیٹھ.....صابون والا

کہ دھن بھی ہے کالا تو دل بھی ہے کالا

نہیں ترنوالہ

کوئی زرنوالہ

تو اے جان: اے میری معصوم روزی!

یہ تم جان لینا

کہ وہ ہے منکر ہخن ور

خود اپنی تہوں کا نہفتہ شناور

خیالوں کا خلاق.....جذبوں کا داور

گھڑی میں پشین اور گھڑی میں پشاور

سما کا سمندر

خلا کا مسافر

دما دم قلندر

تو اے جان اے میری معصوم روزی!

اسے ہاں نہ کہنا

کنواری ہی رہنا.....(انگریزی سے)

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved
©2002-2006

کالے چھپرے کا مرثیہ

یہ نظم کراچی ہوامیدان کے قریب ہوائی جہازوں کے وسیع وعریض آہنی اصطبل کے مسمار کیے جانے پر لکھی گئی۔

یہ بلند و بالا ڈھانچا جو عرف عام میں ''کالا چھپرا'' کہلاتا تھا، کراچی کی شاہراہ پر ایک معروف نشان راہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ 1965ء میں میرے مکرم دوست کرنل مقبول الٰہی درویش نے وزارت دفاع کے فیصلے کے مطابق اس کو نیلام کیا۔ جن دنوں اس چھپر کی آہنی چمڑی ادھیڑی جارہی تھی راقم الحروف ڈرگ روڈ چھاؤنی میں اس کے سایہ عاطفت میں رہتا تھا۔ (ض)

کالے چھپرے کی جو کل جامعہ دری ہونے لگی
جعفری کے گھر کے آگے ''جا فری'' ہونے لگی
برہمی سے شاعری میں نغمگی ہونے لگی
یعنی اس لوہے سے یہ چاندی کھری ہونے لگی
اس طرف چھپر کا اک اک تار جاں بجنے لگا
اس طرف نغموں سے شاعر کا مکاں بجنے لگا
آہ وہ 'چھپرا' .....کراچی کا پرانا مہرباں
شہر کا مکھڑا..... سواد شہر کا قومی نشاں
سندھ میں سابق فصیل کشور ہندوستاں
آہن و فولاد میں انگریز کا 'چنگیز خاں'
شام کے صحرا میں وہ گویا چراغ شام تھا
شہر اپنا مصر تھا وہ مصر کا اہرام تھا
وہ جہازوں کا دلیل راہ بلکہ سربراہ

آہ وہ ''پی آئی اے'' کی ''ہائی وے'' کا بادشاہ
کس کو جنکشائی سے ڈھونڈے گی مسافر کی نگاہ
کون ہوگا اب کراچی کی حقیقت پر گواہ
پائیں گی اب کس کی دیواروں کے سائے میں اماں
ادھ بسی آبادیوں کی گائیں بھینسیں بکریاں
قیمتی لوہے کا زنگ آلودہ مینار بلند
قصر قیصر بے ضیا ،سلطان جابر درد مند
کھویا کھویا ،سویا سویا ،رویا رویا ،بند بند
اپنی اردو شاعری کی طرح طبعًا غم پسند
ظرف عالی سے تہی آغوش بھی خاموش تھا
فقرو استغنا میں اک درویش کمبل پوش تھا
''کالاچھپرا'' اب چھپرکھٹ سے نکالا جائے گا
جو سنبھلنے میں نہ آیا تھا.....سنبھالا جائے گا
بیچ ،پیانوں میں.....پر ،پرزوں میں ڈھالاجائے گا
آنے والا آئے گا ،اور جانے والا جائے گا
زندگی.....اک ہاتھ آگے کانپتا بلور ہے
آدمی.....دوگام پیچھے ہانپتا مزدور ہے

بنگلے کا ڈھانچا

راقم الحروف کو ملازمت کے دوران میں کچھ عرصہ راولپنڈی میں 'ریس کورس' کے نواح میں ایک عارضی چوبی گھروندے (HUT) میں رہنے کا اتفاق ہوا تھا۔ اس 'گھروندے' کا منظوم احوال ایک نظم میں جو 'ضمیر کا گھر' کے عنوان سے میرے مجموعہ کلام 'مافی الضمیر' میں شامل ہے، بیان کیا گیا ہے۔ اس نظم کی پیش کش کے بعد ارباب اختیار کی طرف سے ہمیں جس بنگلے سے نوازا گیا، اس کی جھلک ذیل کے اشعار میں پیش کی گئی ہے۔ (ضمیر)

ٹین کے چھجوں سے دو کمرے میں 'بنگلائے' ہوئے
جیسے انڈوں پر ہوں پر مرغی نے پھیلائے ہوئے
اک کھلاڈ ہے جو کھلتا ہے کھلے میدان میں
گھر میں بھی رہتا ہوں پوری قوم کے گھمسان میں
پردہ دیوار تاحد نظر..... کچھ بھی نہیں
زیست اس منزل میں جز ذوق سفر..... کچھ بھی نہیں
کھیلتے ہیں گیند بلا بھی یہیں مردانہ وار
لال کرتی 'کے حنیف و امتیاز و کاردار
دیدنی ہوتا ہے منظر ضرب تند و تیز پر
''فیلڈر'' میرے کچن میں 'گیند میری میز پر
ماؤں 'بہنوں 'بیٹیوں کی طرح پھرتی ہیں یہاں
چھاؤنی بھر کی سہاگن 'گائیں 'بھینسیں 'بکریاں
ماجرا کیسے کہوں دیوار و در کے رنگ کا

منھ کو آپہنچا کلیجہ چوب و خشت و سنگ کا
یہ مکاں ‘یہ مغربی تہذیب کا لخت جگر
چہرہ روشن .....اندروں چنگیز سے تاریک تر
ہم سے پہلے جن کے زیر پا تھی یہ ’خلد بریں‘
وہ نکل جانے پہ بھی پوری طرح نکلے نہیں
اس کی دیواروں پہ مرغے ہیں‘کواڑوں پر حساب
لکھ گئے ہیں ان کے بچے سب سوالوں کے جواب
چپا چپا اس مکاں کے استخوان پیر کا
نقش فریادی کسی کی کانپتی تعمیر کا

94۔یونیک روڈ‘ راولپنڈی 1954ء

نورن کے نام

(شملے سے ایک خط)

شملے کے مناظر دیکھ ذرا ہر چیز ہے ناہموار یہاں
ہر وضع کا سنت مہنت یہاں، ہر قطع کا دنیا دار یہاں
انسان یہاں، لنگور یہاں، انگیرز یہاں، سرکار یہاں
اونچے اونچے دیودار یہاں، ٹیڑھے میڑھے بازار یہاں
نورن! میری پیاری نورن آتو بھی کبھی اک بار یہاں
تو آئے تو اس کافرنگری کی نئی نئی باتیں دیکھے
دھندلے دھندلے سے دن دیکھے روشن روشن راتیں دیکھے
ہر باسی تازے چہرے پر غازے کی کراماتیں دیکھے
جاگی..... چیت لاگی راتوں میں من موہن کاروبار یہاں
نورن! میری پیار نورن آتو بھی کبھی اک بار یہاں
کب اپنے منڈی میلے میں شملے کی 'مال' کے نظارے
انگریز کی خوش بختی، خوش وقتی اور اقبال کے نظارے
گجرات کی مدھ ماتی آنکھیں، زلف بنگال کے نظارے
پنجاب کے کڑیل مرد یہاں، دکن کی سلونی نار یہاں
نورن! میری پیاری نورن آتو بھی کبھی اک بار یہاں
اڑتی ہوئی برف کے ریشم پر یہ روپ سروپ اجالوں کے
چلتے ہوئے جادونظروں کے تپتے ہوئے تختے گالوں کے
چاندی کی چمک میں مدھم مدھم چہرے رکشا والوں کے،
رکشا کے اندر ایک یہاں، رکشا کے باہر چار یہاں
نورن میری پیاری نورن! آتو بھی کبھی اک بار یہاں

ہر رام سرن، ہر رام چرن، ہر دریو دھن ہے شملے میں
دلی کا ہر اک اونچا صاحب، مع میم مٹن ہے شملے میں
پنجاب سے بھی اک آدھ 'وزیر خوش اچکن' ہے شملے میں

سجتے ہیں بھرے بازار یہاں، لگتے ہیں بڑے دربار یہاں
نورن میری پیاری نورن آتو بھی کبھی اک بار یہاں

ٹاٹوں سے نکل کر دیکھ کبھی تو بھی "ملسخاٹوں" کی بستی
یہ کھیل تماشوں کا میلا، یہ سیر سپاٹوں کی بستی
دیسی سمراٹوں کا رمنا، افرنگی لاٹوں کی بستی!

ہر شام ہے شام بہار یہاں ہر رات شب بیدار یہاں
نورن میری پیاری نورن! آ تو بھی کبھی اک بار یہاں

دارالسلام۔(ٹوٹی کنڈی)............1943ء

الو اور بلبل

دانا ہی سہی
الو سے نہ رائے مانگ کبھی.....
سنتی ہے تو سن.....
من بانی.....شاخ پہ جھولتی گاتی بلبل کی
یا..... سبزہ و گل میں گھلتی ہوئی
اور کھلی ہوئی
ست رنگ پروں کی لالی سے
اس بے فکری دیوانی سے
مستانی کلغی والی سے
تجھے آس ملے
تری پیاس بجھے
تسکین ،سرور ،مٹھاس ملے
جیسے شاعر کے بول کہ من میں جا اتریں
اور 'بور' کتھا پرچارک کی

(انگیریز شاعر آسٹن سے ماخوذ).....8 جولائی 1982ء

الوداع دندان ما

ذیل کے اشعار 'برزخ' کے اس عرصے میں لکھے گئے جب اصلی دانت نکلوائے جا چکے تھے اور مصنوعی دانت لگائے نہیں گئے تھے۔ (ض)

رخصت اے مرے اصلی دانتو!
اصلی، وصلی، نسلی دانتو!
اے میری سابق بتیسی
ساٹھ برس تک چکی پیسی
کلیجے، تکے، آلو، چھولے
گنے، گنڈے، سخت اور پولے
موٹھ، مرنڈے، مرغی دانے
لڈو، پیڑے، مٹر، مکھانے
پان پروسے، چاٹ کھلائی
ہر موسم کی چوگ چگائی
روٹی، بوٹی، مرغ، پلا
سر بکرے کا، دمچہ گاؤ
رسے کاٹے، ڈنٹھل توڑے
دانت درانتی، دانت ہتھوڑے
لوہا، پتھر، سخت نوالہ
کٹ کٹ کترا، منھ میں ڈالا
قصر شکم کی ڈیوٹی، کرنا
خالی کرنا اور پھر بھرنا

بند ددراڑیں ‘تیز کٹاری
منھ پھاٹک کی چوکیداری
دائیں بائیں..... ہلنے والی
ظاہر سالم ‘باطن خالی
جیسے جادو گر کی تھالی
وائے غفلت ‘اف نادانی
کارگروں کی قدر نہ جانی
اٹھے ‘بیٹھے ‘جاگے سوئے
داڑھ نہ مانجھی .....دانت نہ دھوئے
دانتوں سے تھی شوبھا ساری
بجھ گئی چہرے کی پھلواری
لوگ کرے ہیں کانا پھوسی
دیکھو آم کی گٹھلی چوسی
شکل ہوئی جاپانی اپنی
ہنسی لگے کھسیانی اپنی
بابا بابا کہہ کے پکاریں
’کڑیاں‘ کیا..... پختہ مُیاریں
کون اب بیٹھے ’کول‘ ہمارے
’چ‘ بولو تو چوک بہت ہو
’تھے‘ میں ’تھ‘ کم ’تھوک‘ بہت ہو
’ب‘ میں کوئی ’بندوق‘ چلے ہیں
’ک‘ میں لمبی ’ہوک‘ چلے ہیں

مسند شعر پہ آتو براجے
دانت بنا اب تانت نہ باجے
گیا ترنم کا وہ افسوں
شعر پڑھوں تو شڑشڑشوں شوں
پیاس لگی تو شاعر بولا
کوکوکوکو ..... کوکا ..... کولا
ہم یہ بولے..... ''چائے بیگم''
بیگم بولی..... ''ہائے بیگم؟''
ہم نے کہا..... ''رومال اٹھاؤ''
بیگم بولی..... ''دال پکاؤ؟''
کچھ اعضا..... منھ زور بہت تھے
جسم کے اندر چور بہت تھے

.....

دادا جان

اپنے تنہا کمرے میں
دل ویران.....نظر سنسان
وہ بیٹھے ہیں دادا جانب

باسی خبر

اک سیاست دان نے
اک جریدے کے ایڈیٹر سے کہا
آپ کے اخبار نے لکھا کہ میں
اپنے پیندے پر کھڑا رہتا نہیں
اپنی رائے برملا کہتا نہیں
اس لئے خوش حال ہوں
کیوں کہ بازار سیاست کا بکاؤ مال ہوں
سن کے یہ شکوہ..... ایڈیٹر نے کہا
ہے عبث مجھ سے گلہ
یہ پھٹیچر چیتھڑا ہوگا کوئی
میرے پرچے میں کوئی باسی خبر چھپتی نہیں

(انگریزی سے) 1983ء

☆

ہم 'نیوٹرل' ہیں خارجہ حکمت کے باب میں
''نے ہاتھ باگ پر ہیں نہ پا ہیں رکاب میں''
یوں کانپتا ہے شیخ خیال شراب سے
جیسے کبھی یہ ڈوب گیا تھا شراب میں
اس بات پر بھی ہم نے کئی باب لکھ دیئے
جو بات رہ گئی تھی خدا کی کتاب میں
تنقید جام و مے تو بہت ہو چکی حضور
اب کیا خیال ہے غم ہستی کے باب میں؟
رندوں کی بے ہستی بھی خبردار چیز تھی
اکثر جھگڑ پڑے ہیں حساب و کتاب میں
لطف اس مشاعرے میں ملا کاک ٹیل کا
جمنا کا رس بھی آن ملا ہے چناب میں

یہ اشعار 1953ء میں گارڈن کالج راولپنڈی کے جشن طلائی کے مشاعرہ کے لئے کہے گئے۔ اس مشاعرے میں ہندوستان سے اردو کے بزرگ شاعر پنڈت تلوک چند محروم اور ان کے سپتر نامور شاعر پروفیسر جگن ناتھ آزاد شریک تھے۔

شوہر فریادی

کرلی شادی

قید کڑی اور بے معیادی
ختم ہوا سب دھوم دھڑکا
آدم زادہ ہکا بکا
سلب ہوئی ساری آزادی

کرلی شادی

اکثر تو چپ چپ رہتا ہے
کہتا ہے تو یہ کہتا ہے
بیوی سے شوہر فریادی

انت مولا.....انت ہادی

ہم روتے ہیں

(بنگال کے گورنر ''ہالی ڈے'' کے بارے میں)

جب ہالی ڈے آتا ہے
تو چین ہمارا جاتا ہے
جنگل میں منگل ہوتا ہے

کھیل تماشے
ڈھولک تاشے

کمپ میں سب کچھ ہوتا ہے

'ہالی ڈے' سوتا ہے

معتبرین

پہنے اپنی دیسی 'جین'

آتے ہیں

پھولوں میں ہار پروتے ہیں

وہ ہنستے ہیں

ہم روتے ہیں

(بگ ہولڈن).....1853ء

غروب آفتاب کے بعد

گیا میں اتفاقاً کل جو ایک تصویر خانے میں
تو سر ہربرٹ ایمرسن، مل گئے کل چار آنے میں
وہی تصویر جو پہلے بہ حرمت کام آتی تھی
کچہری میں، کلکٹر میں، شفاخانے میں، تھانے میں
کہیں، مسرور، موتی چور ایوانوں کی زینت تھی
کہیں یہ لازمی تھی دفتروں کے دفترانے میں
وہی اب ٹنگ رہی تھی اک کباڑی کے دریچے پر
وہی اب بک رہی تھی اور بہ منت، چار آنے میں

(مری).....1948ء

سر ہربرٹ ایمرسن: صوبہ پنجاب کا ایک انگریز گورنر

☆

سوز غم، جوش جنوں، عشق بتاں رہنے دیا
یعنی دل میں اک نہ اک 'چنگیز خاں' رہنے دیا

مدرسوں میں بند کرکے حلقہ ارباب ذوق
مطبخوں میں حلقۂ باورچیاں رہنے دیا

ایشیا کے مطمئن بندوں کی یارب داد دے
ابرکو ابر..... آسماں کو آسماں رہنے دیا

ایسی نازک پرورش، اتنی ملائم تربیت
ہم نے شاہیں میں کبوتر بھی کہاں رہنے دیا

اب وہ حسرت ہوکر حیرت ہو کر عبرت ہو ضمیر
ہم وہیں رہنے لگے اس نے جہاں رہنے دیا

1963ء.....

اودیس سے آنے والے بتا!

(شاعر رومان حضرت اختر شیرانی کی ایک مقبول نظم کی تقلید میں ضمیر)

اودیس سے آنے والے بتا
کس حال میں ہیں یاران وطن!
کیا اب بھی وہی دوشنبے کو 'راشن' کے ذخیرے کھلتے ہیں
مٹی کے مرکب، گندم کیا سونے کے برابر تلتے ہیں
دو چٹکی چاول کی خاطر چھ چھ دن رلتے گھلتے ہیں
پتلے 'فضل الدینان وطن' موٹے، بدری ناتھان وطن،
اودیس سے آنے والے بتا
کس حال میں ہیں یاران وطن!
کیا مہر بہ درتہ خانوں میں ہیں نبیوں کے گودام اب بھی
من میں ہے لوبھ کی چاہ وہی اور لوٹ کھسوٹ ہے عام اب بھی!
لڑتا ہے کسانوں کی خاطر چھوٹا سا 'چھوٹو رام' اب بھی!
اس جاٹ سے کیا دیتے ہیں ابھی وہ ''لالہ رخ لالان وطن''
اودیس سے آنے والے بتا
کس حال میں ہیں یاران وطن!
اب بھی جنگی مہنگائی سے مخلوص خدا بے تاب سی ہے!
ہر کالی رات غریبوں کی، بے چین سی ہے، بے خواب سی ہے!
تمباکو کک بھی ناپید سا ہے اور ماچس بھی نایاب سی ہے!
اور حقہ پینا فرض وطن، ہاں دین وطن، ایمان وطن
اودیس سے آنے والے بتا

کس حال میں ہیں یاران وطن!
کچھ گاؤں کی باتیں، کیا اب بھی منگلا پر بادل چھاتا ہے؟
روہتاس میں بیساکھی رت میں میلا اب بھی بھر جاتا ہے؟
بصرے اور سنگاپور سے پلٹن والوں کا خط آتا ہے؟
وہ کھیت میں رستم خان وطن اور گھر میں ''ریشم جان وطن''؟

(شملہ).....1942ء

متحدہ پنجاب میں سر سکندر حیات کی کابینہ کے وزیر چودھری سر چھوٹو رام
جو کسانوں کے ہمدرد تھے۔
2-دوسری جنگ عالمگیر۔

چوری کا مال

اک مرد مجرو کے گھر سے
چوروں کے ہاتھ جو مال آیا
اس مال کو دیکھ کے
بیاہے ہوؤں کو حال آیا
رنگین، بلاؤز، جاپانی
مسکے.....ورقے ورقے
کچھ شب جامے
درکے.....درکے
کچھ نیم شلوکے یونانی
جن سے جھلکے گوری کا بدن
آویزے.....فرنل.....بال کلپ
اودے اودے ،دھانی دھانی
اس مرد مجرو کے گھر سے
ہر شے نکلی.....نامردانی

.....1982ء

ایک آرزو

کاش ان سے یوں ملاقاتیں کریں
کلبلاتی ہیں جو دل میں صبح و شام
کھول کر دل..... پیار کی باتیں کریں
شب کی چلمن صبح تک جاگی رہے
صبحوں کو
زلفوں کی چادر ڈال کر راتیں کریں
ہوں نہ اپنے درمیاں
یہ زمین و آسماں
کوئی شے باہر نہ ہو، اندر نہ ہو
چپ رہے اس کی کلائی کی گھڑی
اور دیواروں پر کیلنڈر نہ ہو

.....

گیلا چیک

ایک بنک میں ایک بیاہی عورت
'چیک' لائی کیش کرانے کو

'چیک' گیلا تھا

نم دیدہ..... نیلا نیلا تھا

بابو نے جو اس کا سبب پوچھا

عورت بولی

مرے شوہر نے جب 'چیک' لکھا
اس کی آنکھوں میں آنسو تھے

(انگریزی سے ماخوذ).....مسقط۔20 اگست 1983ء

The End----------ختم شد----------